بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ, وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين, نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين, أَمَّا بَعْدُ:

# 52-اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام مخلوقات پر بلندی کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابوالعباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔ اور پچھلے درس میں ہم رُکے تھے اس جملے پر: ''إثبات علو الله تعالىٰ على مخلوقاته'' (اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام مخلوقات پر بلندی کا بیان)۔ صفۃ العلو بھی اسے کہتے ہیں (علو کی صفت اور اللہ تعالیٰ کا بلندی پر ہونے کی صفت)۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے چھ آیات قرآن مجید سے دلیل بنا کر پیش کی ہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ کون سی آیات ہیں اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔

1-صفۃ العلو کو ثابت کرنے کے لیے سب سے پہلی آیت سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (آل عمران:55) إلي آخر الآية (یہ آیت کا حصہ ہے جس میں یہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خطاب جو ہے ﴿يٰعِيْسٰٓى﴾ سیدنا عیسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کے لیے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماں سے پیدا کیا بغیر باپ کے، اس لیے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے۔ آپ دیکھیں کہ قرآن مجید میں جتنے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر ہے اُن کی نسبت قوم کی طرف ہوتی ہے یا باپ کی طرف ہوتی ہے سوائے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے "عیسی ابن مریم" آئے گا۔

یعنی آپ یہ دیکھیں مثال کے طور پر ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ﴾ (الصف:5): اگلی آیت میں فرمایا ہے ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (الصف:6): بندہ اگر تھوڑا غور کرے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول (علیہم الصلاۃ والسلام) ہیں اور دونوں جو ہیں بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

ایک کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ﴾، اور دوسرے کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ قوم کا لفظ نہیں ہے وجہ کیا ہے کبھی غور کیا ہے؟ اور باقی بھی تمام آیات دیکھ لیں آپ قوم کا ذکر ہے۔

قوم سے نہیں ہیں بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں؟ سیدنا عیسیٰ ابن مریم (علیہم الصلاۃ والسلام) بنی اسرائیل میں سے ہیں نا۔ کتنا پیارا انداز بیان ہے دیکھیں ذرا! بہت عظیم پیغام ہے کہ اگر یہاں پر قوم کہا جاتا " إلى قومه" تو غلط ثابت ہو جاتا ہے اور اعتراض کرنے والے کا اعتراض صحیح ثابت ہو جاتا (سبحان اللہ)۔

جو قومیت ہوتی ہے اس کے لیے نسب کی ضرورت ہوتی ہے اور نسب کے لیے باپ کا ہونا لازمی ہوتا ہے، اور سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے (بغیر والد کے) پیدا کیا ہے اس لیے قرآن مجید میں کہیں نہیں ملے گا آپ کو۔ جہاں پر سیدنا عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر ہے "عیسیٰ ابن مریم" ماں کی طرف نسبت ہے۔

اور قومیت جو ہے ماں کی طرف نسبت نہیں ہوتی باپ کی طرف ہوتی ہے (سبحان اللہ)، اور اس سے یہ واضح ثبوت ہے اور اُن کے لیے سخت پیغام ہے جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے (عیسیٰ ابن مریم)۔

اچھا بنی اسرائیل میں سے کیسے ہیں؟ والدہ کہاں کی ہیں؟ بنی اسرائیل میں سے ہیں نا۔ اس لیے بنی اسرائیل سے خارج نہیں ہوئے لیکن قومیت جب بات آتی ہے نسب کی بات آتی ہے تو باپ کی طرف ہمیشہ بچہ منسوب ہوتا ہے ماں کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا ﴿اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ﴾: علماء کے تین اقوال ہیں اس جملے کے تعلق سے ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾:

(۱) پہلا معنی ہے ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾: یعنی "قابضك" (اپنے قبضے میں لینا: میں تمہیں اپنے قبضے میں لیتا ہوں)۔

(۲) دوسرا معنی ہے ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾: یعنی "منيمك" (میں تمہیں سلاتا ہوں)، کیونکہ قرآن مجید میں نیند کو بھی وفات کہا گیا ہے (سونے کو بھی وفات کہا گیا ہے) جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ (الانعام:60) إلى آخر الآية۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ

﴿يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾(اور وہی جو تمہیں رات کو وفات دیتا ہے): رات کو انسان سوتا ہے اور قرآن مجید میں اور عربی زبان میں بھی سونے کو وفات بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) تیسرا قول جو ہے ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ : یعنی ''مميتك''(یعنی میں تمہیں موت دیتا ہوں)، جیسا کہ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾(اللہ تعالیٰ ہی موت دیتا ہے ہر نفس کو جب اسے موت آتی ہے)(الزمر:42)۔

تو لفظ "یتوفّی یا متوفّی" ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ عربی زبان میں اور قرآن مجید میں تینوں معنی موجود ہیں: (۱) اپنے قبضے میں لینا۔ (۲) سلانا، نیند دینا۔ (۳) اور وفات دینا، موت دینا۔

جو تیسرا معنی ہے موت دینے کے تعلق سے یہ بہت بعید ہے کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ابھی تک وفات یعنی موت نہیں آئی بلکہ آخر الزمان میں قیامت کے قریب دوبارہ نازل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ النساء میں: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾(النساء:159): ''أي: قبل موت عيسى على أحد القولين (عليه الصلاة والسلام)'': یعنی آخری زمانے میں قیامت سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام دوبارہ نازل ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے۔

﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾: یعنی باقی جو دو معنیٰ ''قابضك ومنيمك''۔

شیخ صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ عربی زبان میں لفظ ''متوفيك'' جو ہے اس کے تین معنی ہیں: ایک ہے وفات دینا جو کہ بعید ہے اس سیاق اور سباق میں سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے وفات نہیں ہوئی ہے کیونکہ دوسرے دلائل موجود ہیں قرآن اور سنت میں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ابھی تک موت نہیں دی ہے، موت آئے گی وفات آئے گی لیکن قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جو ہیں دوبارہ نازل ہوں گے۔

اور بڑی تفصیل ہے صحیحین میں اور دیگر صحیح احادیث میں کہ کہاں پر نازل ہوں گے، کب نازل ہوں گے، کیسے نازل ہوں گے، کون سی جگہ ہوگی، مسلمانوں کے کیا حالات ہوں گے، کس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نازل فرمائے گا، پھر کتنا

عرصہ رہیں گے، پھر دجال کا خاتمہ کیسے کریں گے (تفصیل ہے پوری)، اُس کے بعد پھر وفات بھی پائیں گے جیسا کہ عام انسان وفات پاتا ہے۔

تو اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) کہ ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ یعنی موت دینے کا جو معنی ہے یہ یہاں پر صحیح نہیں ہے کیونکہ قاعدہ کیا ہے شیخ صاحب کیا فرما رہے ہیں؟

قاعدہ یہ ہے کہ ہر لفظ کو اپنے معنی کے مطابق معنی دینا اور سمجھنا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ یا کوئی سبب ہو جو اُس معنی سے اُسے ہٹا دے۔

اب ''متوفيك'': عام معنی میں موت ہی ہے نا۔ وفات کسے کہتے ہیں فلاں کو وفات آ گئی؟ موت ہی ہوتی ہے نا۔ اب جو ظاہر معنی ہے اس سے آپ ہٹا رہے ہیں "وفات کا معنی موت نہیں ہے"۔ بھئی تمہارے پاس ثبوت کیا ہے؟ کیونکہ عربی زبان میں جب ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہوتے ہیں تو پھر اصل معنی جو ظاہر کے زیادہ قریب ہے جو عام لیا جاتا ہے وہی سب سے مقدم ہوتا ہے آگے ہوتا ہے۔

اب وفات کا معنی موت ہی ہے، باقی قبضے میں لینا، یا سُلانا، یہ بعد کے معنی ہیں (یہ معنی بھی ہیں)۔ اب جو پہلے جو مقدم ہے اسے آپ پیچھے کر رہے ہیں تو ثبوت تو ہونا چاہیے نا۔ ثبوت کیا ہے؟ جو باقی دلائل موجود ہیں اُن میں سے ایک دلیل یہاں پر موجود ہے سورۃ النساء آیت نمبر 159 میں ﴿وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ﴾:

اب ﴿مَوۡتِهٖ﴾ (وفات آئے گی) یہ ثبوت ہو گیا۔

یعنی علماء کے اس میں دو اقوال ہیں:

(ا) مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے سارے کے سارے جو ایمان نہیں بھی لے کر آئے وہ ایمان لے کر آئیں گے جب دوبارہ نازل ہوں گے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، یقیناً پتہ چل جائے گا اور اسلام میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ دین اُس وقت دین اسلام کا ہو گا اور وہی دین غالب ہو گا۔

(۲)اور دوسرا قول جو ہے یہی ہے (اس سے مراد یہ ہے) کہ دوبارہ نازل ہوں گے۔یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہودی بھی ایمان لے کر آئیں گے، شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بھی قول ہے (یعنی وفات سے پہلے یہودی بھی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لے کر آئیں گے)۔

اور یہ دوسرا قول جو ہے کہ "وفات سے پہلے ایمان لے کر آئیں گے" یہ قول ضعیف ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

اور جو قول صحیح ہے وہ یہ ہے (اس سے مراد یہ ہے) کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام دوبارہ نازل ہوں گے۔

اب باقی کے جو دو معنی ہیں قبض کرنے کا اور سُلانے کا تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: ان دونوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سُلایا ہے (نیند دی ہے)، نیند واقع ہو گئی ہے اور پھر زندہ اُٹھالیا ہے اور اپنے قبضے میں لے لیا ہے، اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے یعنی کوئی تضاد نہیں ہے۔

جمع ممکن ہے کہ نہیں سُلانے میں (نیند دینے میں) اور پھر اُٹھانے میں؟ کوئی تضاد نہیں ہے۔

اور قاعدہ کیا ہے؟ کہ جب دونوں معنی کو جمع کیا جا سکے تو دونوں معنی کو جمع کرنا اُس سے بہتر ہے کہ آپ ایک معنی کو لیں دوسرا چھوڑ دیں بغیر وجہ کے۔

ایک تو ہم نے چھوڑ دیا اُس کی وجہ ہے باقی دلائل ہیں (موت کا وفات کا جو معنی ہے وہ دلائل ہیں نا) اس لیے چھوڑا ہے، اچھا باقی دو؟ اب سُلانے کا اور قبض کرنے کا اپنی طرف اُٹھانے کا (یعنی آسمانوں پر) اب دونوں معنی میں سے کون سا معنی صحیح ہے؟ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ دونوں میں منافات نہیں ہے تضاد نہیں ہے۔

وہ کیسے؟ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے سُلایا ہے نیند واقع ہو گئی ہے، اور پھر قبض کر لیا اپنے قبضے میں لے لیا اُٹھالیا ہے۔

ممکن ہے کہ نہیں؟ جب دونوں معنی ایک ساتھ جمع کرنا ممکن ہو تو پھر قاعدہ یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرنا زیادہ بہتر ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾: "الشاهد هنا": یہ شاہد ہے (اصل جو ہمارا موضوع کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کا بلندی پر ہونا)، ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾: ﴿إِلَيَّ﴾ "تفيد الغاية": یعنی اپنی طرف میں تمہیں اُٹھاتا ہوں بلند کرتا ہوں، (رفع: اوپر کی طرف کہتے ہیں نا) اور اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ جس کی طرف اُٹھایا جا رہا ہے وہ کہاں ہے؟ وہ بلندی پر ہے۔ اور اس میں یہ ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ کہے (یعنی کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے جو کہ اعتراض ہوا ہے مخالفین نے کئی اعتراضات کیے ہیں)"فلو قال قائل"((آپ کو بہت ملے گا یہ اور بہت پیاری بات ہے کہ ایک عالم جو ہے جب کسی مسئلے میں کوئی خدشہ ہو اور کسی مخالف کا قول واضح ہو اور عام ہو لوگوں میں تو لازمی نہیں ہے کہ جب تک کوئی سوال نہیں کرے گا آپ اس کا جواب نہیں دیں گے، وضاحت کے لیے آپ یہ کہہ سکتے ہیں "کہ اگر کوئی شخص یہ کہے اور یہ اعتراض کرے تو اس کا یہ جواب ہے"، علم میں اضافہ ہوتا ہے اور مضبوطی ہوتی ہے))۔

"فلو قال قائل": اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ﴿رَافِعُكَ﴾ سے مراد "رافعك منزلة": کیونکہ بلندی منزلت کی بھی ہوتی ہے شَرف کی بھی ہوتی ہے نا تو اس سے مراد شَرف والی بلندی ہے، نا کہ حقیقتاً اُٹھانے کی بلندی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے سورۃ آل عمران میں سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے: ﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ ((یعنی) سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام دنیا اور آخرت میں بڑے شَرف والے ہیں اور بہت ہی زیادہ قریب ہیں)(آل عمران:45)۔((اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ہیں رسول ہیں))۔

تو اس کے جواب میں شیخ صاحب فرماتے ہیں: "هذا لا يستقيم": یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ "الرفع" جو ہے ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ میں اسے حرف "إلى" کے ساتھ جوڑا گیا ہے اسے متعدی کہتے ہیں اور یہ تب استعمال ہوتا ہے جب آپ کسی حقیقتاً بلندی کا ذکر کرتے ہیں، نا کہ صرف شَرف کا، اور جو حقیقتاً بلندیوں پر ہے وہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا خود جسد ہے (جسم ہے)، اللہ تعالیٰ نے جسم اور روح دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضے میں لیا اور آسمانوں پر اُٹھا لیا ہے۔

یعنی دیکھیں شَرف کی جب بات کرتے ہیں تو وہ اپنی جگہ پر ہے، یعنی مخالفین نے جب اس کا اعتراض کیا ہے جب اس کی دلیل پیش کی گئی ہے یہ بہت سارے دلائل ہیں علو کے میں نے کہا ہزار سے بھی زیادہ ہیں اُن میں سے جب اس کا ذکر کیا تو مخالفین نے کہا(" اس سے مراد یہ نہیں ہے جو آپ نے لیا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بڑی شَرف والے ہیں اور اعلیٰ مرتبے والے ہیں اعلیٰ مرتبے کو بھی "رفع" کہتے ہیں نا عربی زبان میں، تو "رفع" سے مراد اگر آپ لیتے ہیں ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ کہ میں تمہیں بلند درجہ دیتا ہوں شَرف والا درجہ دیتا ہوں")۔

تو عربی زبان میں ہم کہتے ہیں کہ یہ مستقیم نہیں ہے کیونکہ جس شرف کی آپ بات کر رہے ہیں بلندی اور درجے کی بات وہ اِلی کے بغیر ہوتا ہے" رفيع المنزلة ، رفيع القدر "اسے کہتے ہیں نا، اب اِلی ہے یہاں پر؟!

اچھا ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾: "إلی" غایۃ کے لیے ہے اور غایۃ کے لیے معروف ہے کہ اس میں ایک بلندی کا ذکر ہے ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾: تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے۔

پھر اس کی یعنی پہلی آیت کو بطور دلیل پیش کیا اور باقی پانچ آیتیں ہیں۔ میں نے کہا چھ آیات ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دلیل کے طور پر بیان کی ہیں، ہیں بہت زیادہ اُن میں سے صرف چھ مختصر یاد کرنے کے لیے آسانی کے لیے صرف چھ کا ذکر فرمایا ہے۔

ہم پہلی آیت کی بات کر رہے ہیں اور پہلی آیت کے تعلق سے جب بات سے بات نکلی ہے اب شیخ صاحب یہاں پر رُک کر تھوڑی سی وضاحت فرما رہے ہیں کہ علو کے تعلق سے چند اہم باتیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ خوب جان لیں کہ علو کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک ہے معنوی۔ (۲) اور ایک ہے ذاتی۔ (علو معنوی اور علو ذاتی)۔

علو معنوی سے کیا مراد ہے؟ قدر کا علو: جب شان کی بات آئی ہے نا کہ بڑی شان والا، بلند شان والا، بلند مرتبے والا، بلند درجے والا، اسے بھی علو کہتے ہیں "علو القدر وعلو الشان": یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند ہے، اللہ تعالیٰ اسماء وصفات بلند ہیں، اللہ تعالیٰ کی شان اور قدر بلند ہے۔ سب سے بلند ہے، سب سے اعلیٰ ہے کوئی شک ہے اس میں؟! ہم کہتے ہیں "الله سبحانه وتعالىٰ"۔

تو یہ معنوی تو معروف ہے یہ جو علو معنوی ہے اسے سب تمام جو اہل قبلہ ہیں سب ثابت کرتے ہیں (اہل بدعت بھی اہل سنت بھی سب) اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند شان والا ہے عظیم شان والا ہے۔

جو دوسری قسم ہے "علو الذات": کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر علو پر ہے بلندیوں پر ہے، یعنی "بذاته فوق العرش": اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے (سبحانہ وتعالیٰ)، اور عرش سب سے بلند مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ اُس سے بھی اوپر ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی صفت العلو، صفت العرش (علو عرش) کے بعد کیوں یہاں پر شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے؟ کیونکہ دونوں ایک ساتھ ہیں۔

اب عرش کی جس کو سمجھ نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے (یعنی بلندیوں پر ہے) تو چلیں اور دلائل دے دیتے ہیں، جیسے میں نے عرض کیا کہ ہزار سے بھی زیادہ دلائل ہیں قرآن اور سنت میں۔ اگر یہ سات آیات جن میں عرش کا ذکر ہے جو پچھلے درس میں ہم نے بیان کیا ہے وہ سمجھ میں نہیں آتیں تو چلو یہ تو کہیں سمجھ میں آجائیں گی نا۔

تو علو کی دو قسمیں ہیں (۱) علو الذات۔ (۲) وعلو القدر (اور قہر بھی کہتے ہیں)۔

(بعض علماء کہتے ہیں تین قسمیں ہیں، اب یہاں پر شیخ صاحب دو قسمیں بیان فرما رہے ہیں)۔

جو علو معنوی ہے اس میں دو چیزیں ہیں علو القھر اور علو القدر "القدر والقهر": القدر شان کو کہتے ہیں بلند مرتبے کو کہتے ہیں، علو القھر جو ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے اور جو غالب ہوتا ہے ہمیشہ اوپر ہوتا ہے بلند ہوتا ہے مغلوب کے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (ھود: 4)، قہار ہے جبار ہے سبحانہ وتعالیٰ۔

اور جو علو الذات ہے اسے اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ ثابت کرتے ہیں اور اہل بدعت جو ہیں وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت نے اللہ تعالیٰ کے تمام قسم کی جو علو ہیں سب کو ثابت کیا ہے "علو الذات، وعلو القدر، وعلو القهر": یا آپ یہ دیکھیں کہ علو معنوی، علو ذاتی اگر ثنائی (dual) تقسیم جو شیخ صاحب نے یہاں پر بیان کی ہیں یہ دونوں جو ہیں ثابت کرتے ہیں اہل سنت والجماعت۔

جب علو الذات کی بات آتی ہے یہاں پر اختلاف کرتے ہیں اہل بدعت اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر بلندی پر نہیں ہے علو پر نہیں ہے (جیسے آگے بھی آئے گا پچھلے درس میں گزر چکا ہے) اس سے لوازم باطلہ آتی ہیں (اُن کے نزدیک) کہ سمت کا لازمی ہونا ہوتا ہے (جہت کا) اور پھر جسم کا ہونا لازمی ہوتا ہے، یہ لازم وہ لازم ہوتا ہے!

جواب پہلے بھی دے چکے ہیں آج بھی ان شاءاللہ آپ کچھ سنیں گے اس کے تعلق سے۔

تو اہل سنت والجماعت کے پاس کیا دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ بلندیوں پر ہے اور صفت العلو کو ثابت کرتے ہیں؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت کے جو دلائل ہیں وہ کتاب ہے، سنت ہے، اجماع ہے، عقل ہے، فطرت ہے۔

یہ پانچ دلائل ہیں اور ہر دلیل کی اپنی تفصیل ہے: (۱) کتاب (قرآن مجید) میں کئی دلائل ہیں اور مختلف انداز سے بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوگا ان شاء اللہ (یا اگلے درس میں)۔(۲) سنت میں (تمام قسم کی جو سنت ہے )ثابت ہے ،اور ان شاء اللہ بیان کریں گے دلیل سے کہ کس طریقے سے۔(۳) اجماع ہے۔(۴) عقل نے بھی اس کو ثابت کیا ہے ۔(۵)اور فطرت سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے۔

اب تفصیل دیکھیں: سب سے پہلے قرآن مجید کی آیات اور دلائل:

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متنوع دلائل موجود ہیں آیات موجود ہیں قرآن مجید میں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے علو پر ہے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں ذکر فرمایا ہے، بعض اوقات علو کے لفظ سے ، بعض اوقات فوقیت (فوق کسے کہتے ہیں عربی میں ؟ فوق اوپر کو کہتے ہیں)، اور بعض اوقات جو ہے چیزوں کا نازل ہونا اپنی طرف سے (اور نزول کہاں سے ہوتا ہے؟ اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہے نا)، اور بعض اوقات صعود یا عروج کے لفظ سے (صعود نیچے سے اوپر کی طرف کو کہتے ہیں)، اور بعض اوقات ''في السماء'' کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں دلائل کی تفصیل:

1-''علو'': سب سے پہلے علو کے لفظ سے جو بیان ہوا ہے قرآن مجید میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾: آیت الکرسی کے جو آخری الفاظ ہیں ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرۃ:255)۔

اور سورۃ الاعلیٰ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (الاعلیٰ:1): العلی اور الاعلیٰ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور دونوں میں صفت العلو ثابت ہوتی ہے۔

2-فوقیت کا لفظ: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ إلي آخر الآیة (الانعام:18)۔

اور سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (النحل:50)۔

ان دونوں آیات میں: ﴿فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ سورۃ الانعام کی آیت میں: اور سورۃ النحل میں ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾: تو لفظ یہاں پر فوق ہے اور فوق ہم سب جانتے ہیں کہ اوپر کو کہتے ہیں۔

3- چیزوں کا نازل ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سورۃ السجدۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتے ہیں تمام معاملات کی اُمور کی ﴿مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ آسمان سے زمین کی طرف) (السجدۃ:5)۔

سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:9): ﴿نَزَّلْنَا﴾ (اُتارا ہے)۔ اور اترنا کسے کہتے ہیں؟ اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہے نا۔

"وما أشبه ذلك" یعنی چند کو شیخ صاحب نے یہاں بیان فرمایا ہے ورنہ ان الفاظوں کے بھی کئی دلائل موجود ہیں۔

4- چیزوں کا آسمان کی طرف جانا صَعَدَ کے لفظ سے **یصعد** کے لفظ سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ (فاطر:10)۔

اور دوسری آیت میں سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾ (المعارج:4)۔ تو ﴿يَصْعَدُ﴾ و ﴿تَعْرُجُ﴾ یہ دو افعال مضارعۃ ہیں ان دونوں کا معنی یہ ہے کہ نیچے سے اوپر کی طرف جانا۔

5- آسمان میں (جو پانچویں قسم کی دلیل ہے) کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ﴾ إلى آخر الآية (الملك:16): ((﴿اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ (الملک:17) یہ بھی ہے سورۃ الملک میں)): اور یہاں پر دیکھیں ﴿فِي السَّمَآءِ﴾ (کیا تم لوگ اُس سے امن میں آ گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے)۔

تو اس میں دیکھیں ﴿فِي السَّمَآءِ﴾ اور آسمان کہاں پر ہے نیچے ہے یا اوپر ہے؟ اوپر ہے۔

تو یہ سب دلائل جو ہیں ان میں واضح دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے۔

سنت میں سے جو دلائل ہیں سنت کی کتنی قسمیں ہیں؟ یا حدیث کی کتنی قسمیں ہیں؟ تین ہیں: (۱) قولی۔(۲) فعلی۔(۳) تقریری یا اقراری بھی کہتے ہیں۔

اور صفت العلو میں تینوں ثابت ہیں آیئے دیکھتے ہیں:

1- قولی دلیل جو ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان علو اور فوقیت کے لفظ سے آیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى''۔

ہم سجدے میں کیا کہتے ہیں؟ ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى'': اس میں اعلیٰ کا ذکر ہے۔

2- فوقیت کے لفظ سے: ''واللّٰہُ فَوْقَ الْعَرْشِ''۔

''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى'' صحیح مسلم کی روایت میں ہے اور ہم سجدے میں کہتے ہیں، اور ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں روایت کیا ہے ''واللّٰہُ فَوْقَ الْعَرْشِ'' (اور اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے)۔

3- اور آسمان کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ'': ''مَنْ فِي السَّمَاءِ'' دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یعنی آسمان پر ہے آسمان سے اوپر ہے۔ اور یہ حدیث جو ہے متفق علیہ حدیث ہے۔

4- فعلی دلیل کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فعل سے بھی ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے جیسا کہ معروف حدیث جو ہے صحیح مسلم کی روایت میں حجۃ الوداع کے موقعے پر جب اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا (حجۃ الوداع کا خطبہ جو ہے) اور ایک لاکھ صحابہ موجود تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو اُن میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار موجود تھے، یعنی جو عام مسلمان اور صحابہ اُس وقت موجود تھے اس مجمع میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس خطبے کے بیچ میں: ''أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟ قَالُوا: نَعَمْ'' (کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ تو تمام نے مل کر کہا: بے شک پہنچا دیا ہے) ''أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟ قَالُوا: نَعَمْ، وَكَانَ يَقُولُ'' (تین مرتبہ فرمایا ''أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟ قَالُوا: نَعَمْ'') ''وَكَانَ يَقُولُ : اللَّهُمَّ اشْهَدْ'': اللہ تعالیٰ گواہ رہنا، اور اپنی انگلی آسمان کی طرف

اُٹھاتے رہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ'': اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے رہے۔

آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے ''اللَّهُمَّ اشْهَدْ'': اور پھر صحابہ کی طرف اشارہ کرتے تھے، ''يَنْكُتُهَا'' یعنی اشارہ کرنا۔

آسمان کی طرف اشارہ جو ہے اس سے ثبوت ملتا ہے کہ فعلی دلیل میں بھی اور فعلاً بھی (اپنے فعل اپنے عمل سے بھی) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر اور بلندی پر ہے۔

اور کئی احادیث میں آیا ہے جو دوسری فعلی یا عملی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا فرماتے تو آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اُٹھاتے۔ تو ہاتھ اُٹھانا آسمان کی طرف یہ بھی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اور آسمانوں پر ہے، اور یہ ثبوت ہے کہ فعلی طریقے سے بھی اور عملًا بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے۔

تیسری دلیل تقریر کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقرار فرمایا ہے کسی کے کہنے پر یا کرنے پر کا کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اقرار کیا ہے۔

اس کی دلیل صحیح مسلم کی معروف حدیث سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے جب اپنی لونڈی کو کمسن بچی کو آزاد کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچی سے سوال کیا: ''أَيْنَ اللَّهُ ؟'' (اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟) ''قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ'' (اُس معصوم بچی نے جواب دیا عرض کرتی ہے "فِي السَّمَاءِ" اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے) ''فقَالَ: مَنْ أَنَا'' (دوسرا سوال اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچی سے کیا ہے، میں کون ہوں؟) ''قَالَتْ : أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ'' (آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں (علیہ الصلاۃ والسلام)) ''قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ '' (تو صحابی سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے حکم دیا ہے: اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے)۔

معروف حدیث ہے لمبی حدیث ہے لیکن شاہد یہی ہے اور اس میں جب اُس بچی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے (یعنی آسمانوں پر ہے یعنی بلندیوں پر ہے) تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ مومنہ ہے۔ یعنی جواب صحیح ہے کہ غلط ہے؟ صحیح جواب ہے تو مومنہ ہے نا (سبحان اللہ)۔

اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سوال کرتے کیوں ہو اللہ تعالیٰ ہے جہاں ہے بس کیوں کرتے ہو؟! اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے!

اعتراض کا یہ سوال کرنا نہیں چاہیے ! دیکھیں جب آپ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے عرش پر بھی ہے اور فرش پر بھی ہے تب تو سوال بنتا ہے نا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اگر آپ نہ کہتے اور یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے تو ہم بھی کہتے اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، لیکن اگر یہ غلط معنیٰ بھی موجود ہے یا کسی کو کوئی غلط فہمی ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے اور صحیح جواب سمجھانے کے لیے سوال کیے بھی جاتے ہیں یہ ثبوت ہے۔

کسی کے ایمان کو جاننے کے لیے سمجھنے کے لیے سوال کیا جاتا ہے "أَيْنَ اللَّهُ؟" یہ ثبوت ہے: کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟)، جو اعتراض کرتے ہیں وہ بدعت کرتے ہیں نہ کہ جو سوال کرنے والے کیونکہ بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ سوال ہی بدعت ہے (سبحان اللہ)۔

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بدعت کرتے تھے؟!

یعنی سنت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول، فعل، اور تقریر (اقرار بھی سنت ہے نا)۔ تو آپ نے سنت کو بدعت کیسے بنا دیا؟!

اور تیسری بڑی پیاری بات یہ ہے کہ ہم جب کسی شخص کے ایمان کے تعلق سے جاننا چاہتے ہیں اور جانچنا چاہتے ہیں کیا پوچھتے ہیں؟ (بہت پیاری بات ہے اس میں زبردست پیغام ہے) کوئی مومن ہے یا نہیں، یا مسلمان ہے کہ نہیں کیا پوچھتے ہیں؟ کلمے کا پوچھتے ہیں نا بھائی کہ کلمہ آتا ہے؟ کلمہ سناؤ۔ یعنی اس بچی کو صرف کلمہ نہیں آتا بلکہ کلمے کا صحیح معنیٰ بھی آتا ہے۔

کلمے کے صحیح معنیٰ کے لوازمات میں سے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان لانا بھی لازمی ہے، صرف توحید عبادت نہیں اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے، جو یہاں پر غلطی نہیں کر سکتا تو وہاں پر بھی نہیں کر سکتا یاد رکھیں (سبحان اللہ)۔

تو "أَيْنَ اللَّهُ؟" اور "لا الٰہ الا اللہ" پڑھ کر سناؤ، یا کیا معنیٰ ہیں یہ نہیں پوچھا ہے۔ "أَيْنَ اللَّهُ؟" پتہ چل گیا ہے، جس کو یہ پتہ ہے اللہ تعالیٰ عرش پر ہے تو اس سے ان شاء اللہ توحید ربوبیت اور الوہیت میں غلطی نہیں ہو گی۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ بچی جو ہے (جاریہ کہتے ہیں دَس سال سے کم لڑکی کو) یہ کوئی علم والی نہیں تھی اس نے علم حاصل نہیں کیا کیونکہ غالب بات یہی ہے اس معاشرے میں اس زمانے میں کہ جو لونڈیاں ہوتی تھیں اس عمر کی جو جواری ہوتی تھیں تو وہ جاہل ہوتی تھیں (یعنی عام طور پر پڑھنے لکھنے سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا) اور یہ دیکھیں کہ وہ لونڈی تھی آزاد نہیں تھی اور یعنی آزاد تو اپنی خود مختار ہوتی ہے اپنی مالک ہوتی ہے اپنا فیصلہ بھی کر سکتی ہے (یعنی وہ بے چاری خود مختار بھی نہیں تھی اور اپنا فیصلہ بھی نہیں کر سکتی تھی) لیکن یہ خوب جانتی ہے اس کا ربّ آسمان پر ہے، اور بنی آدم میں سے جو گمراہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے آسمان پر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ اوپر ہے نہ نیچے ہے، نہ دائیں ہے نہ بائیں ہے، بلکہ وہ ہر جگہ موجود ہے (نعوذ باللہ)۔

تو یہ دلائل ہیں قرآن اور سنت سے میرا خیال ہے یاد کرنا آسان ہے، اگر آپ تفصیل دیکھیں قرآن مجید کی آیات میں مختلف الفاظ میں: ہم علو کی بات کرتے ہیں علو کا لفظ ہے، یاد کرنے کے لیے آیت الکرسی کے جو آخری الفاظ ہیں ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾، اور سورۃ الاعلیٰ کی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ یاد کر لیں۔

﴿فَوْقَ﴾ کے لفظ سے ہے، ﴿يَصْعَدُ﴾ کا لفظ ہے، ﴿يَعْرُجُ﴾ (الحدید:4) کا لفظ ہے، اور صعود اور عروج قرآن مجید میں کئی جگہ پر ہے آپ اس میں سے کوئی بھی یاد کر لیں (اگر آپ کو یہ مشکل لگتا ہے تو آپ اس میں سے جو بھی آپ کو آسان لگے یاد کر لیں)۔

"یَنزِلُ" یعنی نازل ہونا چیزوں کا: قرآن مجید کا نازل ہونا ہے، وحی کا نازل ہونا ہے، یہ ساری چیزیں جو ہیں دلیل ہیں کہ جس کی طرف سے اتارا جا رہا ہے وہ خود بلندی پر ہے۔

اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا، یہ پانچ مختلف قسم کے دلائل ہیں جو یہاں پر شیخ صاحب نے بیان کیے ہیں۔

اور حدیث میں سے تینوں قسم کی احادیث (قولی ہو، فعلی ہو، یا اقراری ہو) تینوں کے دلائل بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

تیسری جو دلیل ہے اجماع کی، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے آسمانوں پر ہیں بلندیوں پر ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج کے زمانے تک یہ اجماع موجود ہے (یاد رکھیں)۔

سلف کا اجماع ہے اور اہل سنت کا بھی اجماع ہے اُس زمانے سے لے کر آج تک یہ اجماع موجود ہے تو پھر مخالفین کہاں ہیں؟ وہ اہل بدعت میں سے ہیں اُن کی تو مخالفت کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: "إن قُلتَ كيف أجمعوا؟" اگر آپ یہ کہیں کہ اجماع کیسے؟ کہاں سے آگیا؟ کیسے اجماع ہوا ہے ؟ شیخ صاحب فرماتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں: کہ ان آیات اور احادیث کو ایسے ہی گزار دینا جبکہ علو کا ذکر بار بار ان میں ہوا ہے ،فوقیت کا لفظ موجود ہے، چیزوں کا نازل ہونا موجود ہے، صعود کا لفظ (اوپر کی طرف جانے کا لفظ) موجود ہے، اور آسمان میں ہونے کا یعنی یہ سب الفاظ موجود ہیں، اور اُن تمام سلف نے اس کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں لیا ہے، اگر ہوتا تو اس کی دلیل ہوتی۔

تو مختلف الفاظ ہیں ایک ہی معنی ہے "بلندی کی طرف" اگر بلندی کے سوا کوئی اور معنی ہوتا ان الفاظ کا تو ضرور ان سے ثابت ہوتا، جب اُن سے کوئی اور معنی ثابت نہیں ہے تو یہی معنی جو ہے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔

اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں اُن کی طرف نقل کرتے ہیں اُن سے: کہ سلف کا اجماع ہے اس بات پر یعنی اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے، اور یہ فرمایا شیخ الاسلام نے: کسی نے یہ نہیں کہا اُن میں سے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں ہے یا زمین پر ہے، یا اللہ تعالیٰ نہ دنیا کے اندر ہے نہ اُس سے باہر ہے، نہ متصل ہے نہ منفصل ہے ، یا یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسّی اشارہ جائز نہیں ہے، یہ کسی سے ثابت نہیں ہے سلف میں سے۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ سلف کا بھی اس پر اجماع ہے کہ جو صحیح معنی ہے واضح معنی ہے وہی معنی لیا ہے یعنی تمام مختلف الفاظوں کا جو قرآن مجید میں آئے ہیں اور تینوں جو احادیث ہیں (تینوں قسم کی احادیث قولی، فعلی اور اقراری جو ہیں) ان تمام کا معنی ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے اور علو کی صفت ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے، اور اس پر اجماع ہے امت کا (یعنی اہل سنت والجماعت کا)۔

چوتھی دلیل عقلی دلیل جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ یا تو بلندی پر ہے، یا اوپر ہے نیچے ہے عقل کیا کہتی ہے؟ یا تو اوپر ہے یا نیچے ہے: نیچے کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ نیچے کا ہونا اس میں نقص اور عیب ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی چیز اور اُس سے اوپر ہے (جو نیچے ہوتا ہے اس سے اوپر کوئی اور چیزیں ہوتی ہیں) اور مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے اوپر نہیں ہو سکتی، اور اگر اللہ تعالیٰ نیچے ہوتا اور مخلوق

کو پیدا بھی کرتا تو وہ جو ایک سلطان ہوتا ہے اور ایک حکم ہوتا ہے اور تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینا، یہ ساری چیزیں جو ہیں ان سب کی نفی ہو جاتی ہے، تو عقل یہ کہتی ہے کہ اگر نیچے ہونا ناممکن ہے تو پھر اوپر ہونا ہی واجب ہے۔((واضح ہے ؟))۔

اور دوسری تقریر عقلی بھی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ہم یہ کہتے ہیں کہ صفت العلو کمال ہے "باتفاق العقلاء": عقل والوں کا اتفاق ہے کہ علو کی صفت جو ہے بلندی کی صفت جو ہے یہ صفت کمال ہے، اور اگر صفت کمال ثابت ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ثابت کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ صفت جو کمال مطلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔

(ایک علمی بات ہے کہ ہر وہ صفت جو کمال مطلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ مطلق کیوں کہا؟ اس لیے کہ کمال نسبی سے بچنے کے لیے اور کمال نسبی وہ ہوتا ہے جو بعض اوقات کمال ہوتا ہے اور بعض حالات میں کمال نہیں ہوتا ہے جیسا کہ نیند نقص ہے لیکن انسان کے لیے کمال ہے کہ نہیں؟

یعنی ایک ناقص انسان ہے ایک کامل انسان ہے جسے نیند نہیں آتی اسے ہم بیمار کہتے ہیں کہ تندرست کہتے ہیں؟ بیمار ہوتا ہے۔اور نقص ہے کہ نہیں بیماری؟ تو جسے نیند نہیں آتی مخلوق کے اعتبار سے وہ نقص ہے۔

تو اس اعتبار سے نیند اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں ہے کیونکہ کمال مطلق نہیں ہے اگرچہ مخلوق کے لیے کمال ہے نیند کا آنا جو ہے (سونا جو ہے) تو ہم نے ابھی کیا کہا ہے؟ جو کمال کی صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے لیکن ہم نے شرط یہ رکھی ہے کہ کمال مطلق ہونا چاہیے، کمال مطلق سے مراد یہ ہے کہ ہر اعتبار سے، ہر حال میں، ہر صورت میں، کوئی ایسا اعتبار یا صورت نہیں ہے جس میں کبھی نقص کا اندیشہ بھی ہو سکے۔

تو انسان کیوں سوتا ہے؟ آرام کرتا ہے اسے آرام آتا ہے تاکہ دوبارہ چستی آجائے تندرستی آجائے۔ایسے ہی ہوتا ہے نا؟ (سبحان اللہ)، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ (البقرۃ:255) نفی کر دی اللہ تعالیٰ نے۔

پانچویں دلیل جو ہے فطرت کی دلیل، تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس میں تو کوئی منازعۃ ہونا نہیں چاہیے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی مکابرۃ کر سکتا ہے کیونکہ ہر انسان جو ہے اس کی فطرت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے اور

بلندیوں پر ہے، کیونکہ جب کوئی ایسا معاملہ ہوتا ہے اچانک کوئی مصیبت آتی ہے تو آپ کا دل آسمان کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔

یعنی جب کوئی مصیبت آتی ہے آپ اسے رفع کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا دل کس طرف مائل ہوتا ہے اس وقت؟ آپ مدد کس سے مانگتے ہیں؟ فوراً اللہ تعالیٰ سے۔ آپ کا دل و دماغ کس طرف ہوتا ہے؟ آسمانوں کی طرف ہوتا ہے کیونکہ آپ کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے اور وہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلائے گا۔

اور پھر (شیخ صاحب فرماتے ہیں) یہ بھی ثابت ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علو کے منکر ہیں وہ بھی جب دعا کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ زمین کی طرف نہیں اُٹھاتے بلکہ آسمان کی طرف ہی اُٹھاتے ہیں۔

دیکھا ہے آپ نے کبھی کسی کو زمین کی طرف ہاتھ کرکے دعا مانگتے ہوئے؟! جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عرش پر بھی فرش پر بھی ہے (یہ کہتے ہیں نا) تو فرش پر ہے تو کبھی فرش کی طرف اٹھاؤ نا! اُٹھا سکتے ہیں؟! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! کیونکہ دل سے یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے بلندیوں پر ہے لیکن عقل کی خرابی اور خلل کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرش پر بھی ہے! اور جب فطرت غالب آجاتی ہے تو پھر وہی ہوتا ہے لیکن عقل کی خرابی انہیں اس یقین سے محروم کردیتی ہے اور اس خیر سے محروم کردیتی ہے (سبحان اللہ)۔

اس لیے عقل کو علماء کہتے ہیں کہ لگام دینی چاہیے (شریعت کی لگام) شریعت نے عقل کی نفی نہیں کی ہے۔

ہم نے ابھی عقلی دلیل بیان کی ہے کہ نہیں چوتھے نمبر پر؟! تو شریعت نے کب منع کیا ہے عقل کا؟! شریعت منع کرتی ہے بیمار عقل سے، بیمار عقل بے لگام عقل ہوتی ہے جو شریعت سے آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ دیکھیں اگر عقل کو لگام نہ دیں کہاں پہنچادیتی ہے انسان کو!

دنیا کے معاملات میں دیکھ لیں آپ ہم تو دین کی بات کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے بات کررہے ہیں!

دنیاوی اُمور میں دیکھ لیں آپ عقل کو بے لگام کرکے چھوڑ دیں کہاں پہنچادے گی آپ کو! یعنی آپ سمجھتے ہیں!

ایٹم بم کی مثال لے لیں آپ کہ بنایا ہے اور ہیروشیما (Hiroshima) پر گرایا بھی ہے اور اس کے نتائج بھی دیکھے ہیں (خوفناک نتائج) بنارہے ہیں کہ نہیں بنارہے؟ اب بھی بنارہے ہیں!

اس لیے میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ علوم میں سے سائنسز (Sciences) میں سے شریعت کے علم سے بہتر اور اعلیٰ کوئی علم ہی نہیں ہے۔

دنیا کا کوئی علم اُٹھالیں آپ جتنی ترقی کریں گے وہ آپ کی دنیا کو ضرور سنوار سکتا ہے بگاڑ بھی سکتا ہے، لیکن جو شریعت کا علم ہے آپ کی دنیا کو بھی سنوارے گا آخرت کو بھی سنوارے گا کیونکہ جو دین کا شریعت کا علم ہے وہ آپ کے نفس کو پاک کرتا ہے دل کو پاک کرتا ہے، اور تمام باقی سائنسز (Sciences) میں نفس کی پاکیزگی کا سبق نہیں ہوتا۔

دیکھیں میڈیکل سائنس میں یا کسی اور عہدے میں آپ دیکھ لیں حلف لیتے ہیں کہ نہیں؟ ہم سب سے حلف لیا جاتا ہے اپنے اپنے طریقے سے "بھئی اپنے عہدے کو سنبھال کر رکھیں گے، یہ کریں گے غلط نہیں کریں گے، وہ نہیں کریں گے یہ نہیں کریں گے"، لیکن ہمیں پتہ ہے کہ اس پیشے کی حد تک محدود ہے یہ اور اس سے کئی غلط بھی کر لیتے ہیں کراس (Cross) بھی کر لیتے ہیں۔ اچھا جب کراس (Cross) کرتے ہیں اُن کو ڈر کس چیز کا ہوتا ہے؟

کیونکہ دیکھیں یہ اوتھ (Oath) جو ہے کافر بھی لیتا ہے ہم صرف مسلمانوں کی بات نہیں کر رہے، اپنے پیشے کے تعلق سے یہ کافر بھی لیتے ہیں حلف جو ہے تو کافر ربّ کی قسم تو نہیں کھاتا، وہ اپنے اس پیشے کو بہتر کرنے کے لیے قسم کھاتا ہے اور اس کی فوقیت صرف یہی پیشہ ہوتا ہے یہی دنیا ہوتی ہے اس لیے جب ترقی کرتا جاتا ہے تو پھر حدیں پار کر دیتا ہے! یہ تو آپ دیکھیں کہ انسان کہاں پہنچنا چاہتا ہے؟!

اب میڈیکل سائنس دیکھ لیں آپ، یا اس تعلق سے جو دوسری سائنسز (Sciences) ہیں اب انسان کو پیدا کرنے کے پیچھے پڑ گئے ہیں! کبھی کلوننگ (Cloning) کی طرف چلے گئے، کبھی پتہ نہیں کہاں چلے گئے؟! (سبحان اللہ)۔

اس کی جو حد تھی وہ اچھی حد ہے! اب دیکھیں ٹیسٹ ٹیوب بے بی (Test tube baby) تک آ گئے ہیں چلو علاج ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ خاوند کا اسپرم (Spurm) لے لیا، بیوی کا ایگ (Egg) لے لیا، آپس میں ملا دیا (اندر نہیں ہو سکتا باہر آپس میں ملا دیا) اور بیوی میں واپس انجیکٹ (Inject) کر دیا بیوی کے رحم میں۔ کہتے ہیں کہ علاج ہے، علماء نے کہا ہے جائز ہے کیا پرابلم ہے؟!

اب اس آگے بڑھ کر پتہ نہیں کسی اور کا استعمال کرنا اور پھر اس کے آگے بڑھ کر کلوننگ (Cloning) کی طرف جانا، اور انسان میں اس کا نسخہ بنانا چاہتے ہیں فوٹو کاپی انسان کی انسان سے بنانا چاہتے ہیں ! اور پتہ نہیں کتنی اس میں ریسرچز (Researches) ہو رہی ہیں بلینز آف ڈالرز (Billions of Dollars) خرچ ہو رہے ہیں !

بھئی مسئلہ کیا ہے تمہیں ؟! اچھا جو اللہ تعالیٰ پیدا کرے اسے کم کرنے کے پیچھے پڑے ہیں، بچے دو ہی اچھے ! اُدھر کمی کے پیچھے ہیں ! اور (نعوذ باللہ) اس لیے دیکھیں آپ جو یعنی ہم جنس کا کس طریقے سے پرچار کر رہے ہیں دنیا میں !

آج کل دور حاضر میں ایک نئی مصیبت آئی ہے نیا فتنہ آگیا ہے (نعوذ باللہ) کہ ہم جنس پرستی کا پرچار کر رہے ہیں (لڑکیوں اور لڑکوں دونوں میں) کیونکہ میڈیا میں اِدھر اُدھر کہتے ہیں کہ پاپولیشن (Population) زیادہ ہو رہی ہے وہ کم کرنی ہے !

تو مصیبت کیا ہے پھر کلوننگ (Cloning) کے پیچھے کیوں پڑے ہو بھئی ؟! جو اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے اُس پر تمہیں اعتراض ہے اور جس کے پیچھے خود پڑے ہو تو تمہاری جرأت ہی نہیں ہے !

جس نے کلوننگ (Cloning) کی ہے اُس نے تو انسان بنا ہوا ہے اُس نے زندہ خلیے کو لیا ہے نا اُس نے کون سا کوئی مردہ مٹی سے کسی انسان کو بنایا ہے ! اصل چیلنج تو یہ ہے نا ! (سبحان اللہ)، اُس نے بھی کتنی ٹھوکریں کھائی ہیں ماریں کھائی ہیں ! الغرض : تو اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے اور اس فطرت کا کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا یہاں تک کہ (شیخ صاحب فرماتے ہیں) جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بلندی پر ہونے کا وہ یہ کہتے ہیں کہ جو تمام مخلوقات ہیں یہاں تک کہ جو جانور ہیں جانور بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر بلندیوں پر ہے۔

اور پھر شیخ صاحب ایک دلیل پیش کرتے ہیں : کہ یہ روایت کیا گیا ہے سیدنا سلیمان بن داود (علیہم الصلاۃ والسلام) سے کہ جب بارش کی دعا کے لیے طلب کے لیے باہر نکلے تو اپنا لشکر ساتھ لے کر گئے تو چلتے چلتے رُک گئے، دیکھا کہ ایک چیونٹی پڑی ہے اپنی کمر کے بل یوں اور دو ٹانگیں آسمان کی طرف اُٹھائی ہوئی ہیں اور مانگ رہی ہے، کہتی ہے : "اللَّهُمَّ! إنَّا خَلْقٌ مِن خَلْقِكَ لَيْسَ بِنا غِنًى عَنْ سُقْياكَ" ((یہ جملہ) کہ اے اللہ تعالیٰ ! ہم بھی تمام مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں اے اللہ تعالیٰ ! ہمیں بارش سے نواز دے)، تو سیدنا سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے لشکر سے کہا کہ واپس چلو "فَقَدْ سُقِيتُمْ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ" (بارش اللہ تعالیٰ برسائے گا رحم فرمائے گا لیکن کسی اور کی دعا سے)۔ (سبحان اللہ)۔

یہ الہام فطری ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کو یہ الہام دیا ہے یہ ہدایت دی ہے اس چیونٹی کو کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے بلندی پر ہے، اور اس چیونٹی نے بھی آسمان کی طرف اپنے ہاتھ یا پاؤں اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے۔ تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: لُب لُباب یہ ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور یہ بات ہے "أمر معلوم بالفطرة" (فطرت سے یہ بات طے شدہ ہے اور معلوم ہے)۔

پھر شیخ صاحب قسم کھاتے ہیں، فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں کی فطرت کا فساد نہ ہوتا جو انکار کرتے ہیں یہ خوب جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے بغیر کسی کتاب کو دیکھے اور بغیر کسی دلیل کو ڈھونڈے (یعنی اپنی فطرت سے انسان جانتا ہے)۔

اب کتاب ہے سنت ہے، عقل ہے، باقی دلائل چھوڑ دیں آپ، اگر کسی انسان کو آپ اپنی فطرت پر چھوڑ دیں جس نے کبھی کوئی کتاب ہی نہیں پڑھی (قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ کا کلام واضح ہے ناسچ ہے اور حق ہے اگر کوئی شخص ہے اُمی ہے اُس نے کبھی کوئی کتاب ہی نہیں دیکھی) کبھی کسی سے ملاقات بھی نہیں ہوئی اگر اُس سے بھی پوچھیں کہ تمہارا خالق کہاں ہے؟ تو زمین کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا وہ کبھی۔ مطلب جس زمین پر اُس نے پاؤں رکھا ہے اُس زمین پر اس کا خالق نہیں ہو سکتا یقیناً اور فطرت سے جانتا ہے وہ۔ جاہل ہے اُس نے کبھی دنیا کو نہیں دیکھا کوئی چیز نہیں جانتا، اُس کو اپنے کپڑوں کا بھی پتہ نہیں ہو گا کہ کپڑے کیسے پہنے جاتے ہیں اتنی سادہ قسم کا انسان ہو گا لیکن دل کی فطرت سے یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے اور بلندی پر ہے۔ کیونکہ جس چیز کا سبق فطرت سے ثابت ہو اس کے لیے کسی کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اور غالباً پچاس، ساٹھ، ستّر سال پہلے کی بات ہے کہ آسٹریلیا میں جنگل میں ایک قبیلے کو دیکھا (دیکھیں پرانی بات بھی نہیں ہے ابھی ساٹھ ستّر سال پرانی بات ہے ڈسکوری (Discovery) والے گئے وہاں پر دیکھا کہ ایک قبیلہ ہے) جو بالکل دنیا سے منقطع ہے الگ تھلگ ہے بالکل، تو اُن سے جب بات ہوئی تو اشارہ کرتے آسمان کی طرف اور کہتے "آتناتُو (Atnatu)"، ایک لفظ وہ کہتے تھے۔ انہوں نے کہا: یہ کیا زبان ہے یہ کہتے کیا ہیں آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟! یا درختوں کے اوپر چڑھ کر پھر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہیں کچھ مانگتے ہیں!

تو ترجمہ کرنے والے مختلف لوگوں کے بیچ میں لے کر ترجمہ کیا پتہ چلا وہ کہتے ہیں "ہم اُسے پکارتے ہیں جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ محتاج ہے اور رہتا آسمانوں پر ہے"۔

دیکھیں سبحان اللہ "جو محتاج نہیں ہے" اس لفظ کا معنی جو ہے اور اشارہ اوپر کی طرف کرتے ہیں "اور رہتا اوپر ہے وہ" اب ان کے پاس کونسی کتاب لے کر آئے یہ لوگ؟! کیا کتاب ہے؟! ان کو پتہ نہیں ہے کہ دنیا ہے کہ نہیں، وہ کہتے ہیں "کہ ہماری دنیا یہی جنگل ہے"، اِس کے کسی حصے کسی کونے میں رہتے ہیں اُن کی یہی دنیا تھی ساری اُن کو نہیں پتہ کوئی اور دنیا بھی ہے کوئی شہر بھی ہوتے ہیں کوئی یہ بھی ہوتا ہے! یہ زندگی ہے یہیں رہتے ہیں جانوروں کے ساتھ جنگل میں رہتے ہیں اور پوری دنیا سے منقطع ہیں لیکن اُن کو ایک بات کا پتہ ضرور ہے کہ جس نے اُن کو پیدا کیا ہے وہ کہاں ہے جو آج بہت بڑی پگڑی والے نہیں سمجھ سکے (إلا من رحم الله سبحانه وتعالى)۔

گدیوں پر بیٹھے ہیں اور سینہ تان کر کہتے ہیں "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے عرش پر بھی ہے فرش پر بھی ہے"۔

تو اُن کتابوں کو پڑھنے کا فائدہ کیا ہوا مجھے بتائیں جس نے تمہاری فطرت کو ہی ناکارہ کر دیا ہے؟! اس سے بہتر وہ جنگلی نہیں ہیں جن کی فطرت تو زندہ ہے ابھی وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ اُن کو ربّ جو ہے آسمانوں پر ہے، اگر اُس کو موت بھی آجاتی ہے تو اصحاب الفطرۃ میں سے ہے پتہ ہے؟! اگر ایسے لوگ مر جائیں جو دنیا سے الگ تھلگ ہیں اور کوئی اُن کو کتاب کوئی رسالت نہیں پہنچی انہیں کہتے ہیں اصحاب الفطرۃ میں سے ہیں اور قیامت کے دن اُن کا حساب لیا جائے گا اور جنت میں چلے جائیں گے جب وہ حساب میں کامیاب ہو جائیں گے۔

لیکن یہ لوگ جو علم کا دعویٰ کرتے ہیں اور "شیخ الاسلام" کے نام پر بھی اُن کو ٹائیٹل دیئے گئے ہیں گدی نشین ہیں اور بڑے بڑے اُن کے حلقات ہوتے ہیں دروس وتدریس کے اور پیغام یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اور اِس کا بڑا پرچار بھی کرتے ہیں! (سبحان اللہ)۔

تو الغرض یہ جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے آسمانوں پر بلند ہے بلندیوں پر ہے اس کے تمام دلائل ہم نے بیان کیے ہیں اور جو فطری دلیل ہے ان تمام دلائل سے یعنی دیکھا جائے مقدم ہے اور غالب ہے کیونکہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو فطرت میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے، پھر وہ علم حاصل کرتا ہے پھر قرآن بھی پڑھتا ہے پھر حدیث بھی

پڑھتا ہے اور پھر اپنی عقل کو بھی استعمال کرتا ہے باقی دلائل بھی دیکھتا ہے تو یقینی طور پر اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اور اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا حقیقتاً۔

پھر کچھ غلط فہمیاں ہیں اگلے درس میں ان شاءاللہ بیان کریں گے، شیخ صاحب فرماتے ہیں: ’’والذين أنكروا علو الله عز وجل بذاته يقولون: لو كان في العلو بذاته؛ كان في جهة، وإذا كان في جهة؛ كان محدوداً وجسماً, وهذا ممتنع!‘‘: اس کا جواب اگلے درس میں دیں گے، شیخ صاحب یہ فرمار ہے ہیں کہ جنہوں نے انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتی بلندی کا، وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی ذات سے بلندیوں پر ہو تو اس سے جہت لازم آتی ہے اور اگر جہت ہے تو پھر اس میں حد بھی لازم آتی ہے، اور اس سے جسم کا ہونا بھی لازم ہوتا ہے، اور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہیں ممتنع ہیں!

اگلے درس میں ان شاءاللہ ان کا تفصیلی جواب دیں گے۔ ((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ, أَشْهَدُ أَنْ لا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (52.العقيدة الواسطية) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio